سورۂ عم

آیاتہا ۴۰ ۸۰ سورۃ النبا مکیۃ ۸۰ رکوعاتہا ۲

یہ سورت مکی ہے، اسے سورۃ النبا بھی کہتے ہیں۔ اس کی آیات چالیس ہیں یا اکتالیس ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۚ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ؕ﴿۳﴾ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

''وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اسے جان لیں گے پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے (کہ قیامت برحق ہے)''۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَمَّ استفہام کا لفظ ہے اس وجہ سے ما کا الف حذف کر دیا گیا تا کہ خبر استفہام سے ممتاز ہو جائے اس طرح فیم اور مم ہے جب ان کے ساتھ سوال کیا جائے معنی ہوگا وہ ایک دوسرے کے بارے میں کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ زجاج نے کہا: عَمَّ اصل میں عن ما تھا نون کو میم میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ نون غنہ میں میم کے ساتھ شریک ہے۔ یَتَسَآءَلُوْنَ میں ضمیر قریش کے لیے ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب قرآن حکیم نازل ہوا تو قریش بیٹھا کرتے وہ آپس میں گفتگو کرتے ان میں سے کچھ تصدیق کرنے والے ہوتے اور کچھ جھٹلانے والے، تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَمَّ، فیم کے معنی میں ہے یعنی کس چیز کے بارے میں سختی کرتے ہیں اور جھگڑتے ہیں؟

عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ﴿۲﴾ وہ نبا عظیم کے بارے میں سوال و جواب کرتے ہیں۔ عن حرف جار اس یَتَسَآءَلُوْنَ کے متعلق نہیں جو تلاوت میں ہے کیونکہ یہ حرف استفہام کے داخل ہونے کو لازم ہے تو عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ تیرے اس قول کی طرح ہو جائے گا: تیرا کتنا مال ہے کیا تیس یا چالیس؟ جو بات ہم نے ذکر کی ہے اس سے یہ بات لازم ہوگی کہ اسے اس یَتَسَآءَلُوْنَ کے متعلق کرنا ممتنع ہے جو تلاوت میں موجود ہے۔ یہ ایک اور یَتَسَآءَلُوْنَ کے متعلق ہے جو مضمر ہے اسے مضمر ماننا اچھا ہے کیونکہ یَتَسَآءَلُوْنَ پہلے موجود ہے؛ یہ مہدوی نے کہا۔ بعض اہل علم نے یہ ذکر کیا ہے کہ دوبارہ جو عَنِ آیا ہے اس میں استفہام ہے مگر وہ مضمر ہے گویا کلام یوں ہے عم یتساءلون عن النبا العظیم اس بنا پر پہلی آیت کے ساتھ متصل ہے اور النَّبَاِ الْعَظِیْمِ سے مراد بڑی خبر ہے۔

الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ۝ وہ اس کے بارے میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں ایک تصدیق کرتا ہے اور دوسرا جھٹلاتا ہے۔ ابوصالح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبا عظیم سے مراد قرآن حکیم ہے اس کی دلیل قُلۡ ہُوَ نَبَؤٌا عَظِیۡمٌ ۙ اَنۡتُمۡ عَنۡہُ مُعۡرِضُوۡنَ ۝ (ص) کہہ دیجئے: وہ عظیم خبر ہے جس سے تم اعراض کرتے ہو قرآن حکیم نبا خبر اور قصص ہے وہ عظیم الشان خبر ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ یہ موت کے بعد دوبارہ اٹھانا ہے لوگ اس بارے میں دو حصوں میں بٹ گئے تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ساری چیزوں کے بارے میں سوال کیا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اختلاف کے بارے میں آگاہ کیا پھر انہیں خبردار کیا، فرمایا: كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ۝ وہ عنقریب قرآن کے انجام کے بارے میں آگاہ ہو جائیں گے کیا وہ حق ہے یا باطل ہے؟ كَلَّا انہوں نے بعث کا جو انکار کیا اور قرآن کی جو تکذیب کی اس کا رد کرنے کے لیے کلام کو ذکر کیا۔ اس پر وقف کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حق کے معنی میں ہو یا اَلَا کے معنی میں ہو۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ان کا سوال دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں ہو۔ ہمارے بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ کَانَ مِیۡقَاتًا ۝ اس امر پر دلالت کرتا ہے وہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں باہم سوال کیا کرتے تھے۔

یعنی یہ بات حق ہے کہ وہ اس بات کو جان لیں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس قرآن کو لائے ہیں وہ سچ ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے جو یہ بیان کیا ہے کہ موت کے بعد انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا وہ سچ ہے۔

ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے کہ کفار اپنے جھٹلانے کے انجام کو دیکھ لیں گے پھر مومنین اپنی تصدیق کے انجام کو دیکھ لیں گے۔ ایک قول اس کے برعکس بھی کیا گیا ہے کہ پہلے فعل کا فاعل مومن اور دوسرے فعل کا فاعل کافر ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ وعید کے بعد وعید ہے۔ دونوں افعال میں عام قراءت یاء کے ساتھ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَتَسَآءَلُوۡنَ، ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ یعنی یہ غائب کے صیغے ہیں۔ حضرت حسن بصری، ابوالعالیہ اور مالک بن دینار نے کہا: دونوں تاء کے ساتھ مخاطب کے صیغے ہیں۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۙ وَّخَلَقۡنٰكُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ وَّجَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا ۙ وَّجَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪ وَّبَنَیۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ۙ وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۪ وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ وَّجَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ۝

"کیا ہم نے نہیں بنا دیا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا اور ہم نے بنا دیا تمہاری نیند کو باعث آرام اور ہم نے بنا دیا رات کو پردہ پوشی اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنا دیا اور ہم

نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا اور ہم نے برسایا بادلوں سے موسلا دھار پانی تاکہ ہم اگائیں اس کے ذریعے اناج اور سبزی نیز گھنے باغات''۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ○ ان کی اس بات پر راہنمائی کی کہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے پر قادر ہے یعنی ان امور کو پیدا کرنے پر ہماری قدرت دوبارہ اٹھانے پر ہماری قدرت سے عظیم ہے۔ مہاد کا معنی بستر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (البقرہ:22) وہ ذات پاک جس نے زمین کو تمہارے لیے بستر بنادیا۔ اسے مهدا بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی ہے زمین ان کے لیے ایسی ہے جیسے بچے کے لیے پنگھوڑا ہوتا ہے، مهد اسے کہتے ہیں جسے بچھایا جاتا ہے اور اس پر سویا جاتا ہے۔

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ○ پہاڑوں کو میخیں بنایا تاکہ وہ پرسکون ہو جائے اور اپنے مکینوں کے ساتھ ایک طرف مائل نہ ہو جائے۔

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ○ یعنی اصناف بنایا ان میں سے کچھ مذکر ہیں اور کچھ مونث ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَزْوَاجًا کا معنی رنگ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں ہر جوڑا داخل ہو جاتا ہے یعنی قبیح، حسین اور لمبا، چھوٹا تاکہ احوال مختلف ہو جائیں تو اعتبار واقع ہو سکے فضیلت والا شکر بجالائے اور جس پر فضیلت حاصل کی گئی وہ صبر کرے۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ○ جَعَلْنَا یہ صیرنا کے معنی میں ہے اس وجہ سے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے سُبَاتًا یہ دوسرا مفعول ہے یعنی ہم نے نیند کو تمہارے بدنوں کی راحت بنادیا ہے، اسی سے یوم السبت ہے جس کا معنی آرام کا دن ہے یعنی بنی اسرائیل کو کہا گیا: اس روز آرام کرو اس میں کوئی کام نہ کرو۔ ابن انباری نے اس کا انکار کیا اور کہا: راحت کو سبات نہیں کہا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا اصل معنی لمبا ہونا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: سبتت المرأة شعرها جب عورت اپنے بالوں کو لمبا کرے۔ السبات، لمبا کرنا ہے رجل مسبوت الخلق لمبا آدمی، جب کوئی آدمی آرام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ لمبا ہو جاتا ہے تو آرام کو سبت کہہ دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا اصل معنی کاٹنا ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: سبت شعرہ سبتا۔ اس نے اپنے بالوں کا حلق کرایا گویا جب وہ سو جاتا ہے تو وہ لوگوں اور مصروفیات سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ سبات موت کے مشابہ ہے مگر اس میں روح جسم سے الگ نہیں ہوتی اسی طرح یہ لفظ بولا جاتا ہے: سیر سبت یعنی چال نرم ہے: شاعر نے کہا:

ومَطْوِيةِ الاقراب اَمّا نهارُها فَسَبْتٌ واَمّا ليلُها فزَميلُ

لیٹے ہوئے پہلو والا جہاں تک اس کے دن کا تعلق ہے اس کی چال تیز ہوتی ہے جہاں تک اس کی رات کا تعلق ہے تو اس کی چال نرم ہوتی ہے۔

وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ○ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ○ ہم نے رات کو یوں بنایا کہ رات کی تاریکی تمہیں ڈھانپ لیتی ہے؛ یہ طبری نے کہا ہے۔ ابن جبیر اور سدی نے کہا: اسے تمہارے لیے سکون کا باعث بنادیا اور دوسرے جملے میں اضمار ہے اصل میں وقت معاش تھا رزق کی تلاش میں آنے جانے کا وقت۔ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ زندگی گزاری جاتی ہے جیسے کھانے، پینے اور دوسرے امور کی چیزیں اس اعتبار سے مَعَاشًا اسم زمان ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ مصدر ہو اور عیش کے

معنی میں ہو اور مضاف مقدر ہو۔

وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ یعنی سات مضبوط آسمان، ان کی خلقت مضبوط اور عمارتیں بڑی پختہ ہیں۔

وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وھاج کا معنی روشن ہے جعل فعل یہاں پیدا کرنے کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے۔ وھاجا اسے کہتے ہیں جس میں وھج (روشنی) پائی جائے اس کا باب یوں چلایا جاتا ہے وَهَجَ، يَهِجُ وَهْجا ووَهَجا ووهجانا۔ جوہر جب چمک رہا ہو تو اسے توھج کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وَّهَّاجًا یعنی روشن چمکنے والا۔

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ مجاہد اور قتادہ نے کہا: معصرات سے مراد ہوائیں ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس کی رائے ہے گویا وہ بادلوں کو نچوڑتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: اس سے مراد بادل ہیں۔ سفیان، ربیع، ابو العالیہ اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ بادل ہیں جو پانی کی صورت میں نچڑتے ہیں ابھی تک انہوں نے بارش نہیں برسائی ہوتی جس طرح امرأۃ معصرۃ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے حیض کا وقت قریب ہو اور ابھی اسے حیض نہ آئے؛ ابو النجم نے کہا:

تمشي الهُوَيْنَى مائلا خمارُها قد أَعْصَرتْ أو قد دنا إعصارُها

وہ نرمی سے چلتی ہے جبکہ اس کی اوڑھنی ایک طرف جھکی ہوتی ہے اسے حیض آچکا ہے یا حیض آنے کا وقت قریب ہے۔

ہواؤں کو معصرات کہتے ہیں باب یوں چلایا جاتا ہے أَعْصَرَت الريح تُعْصِر إعصارا جب وہ غبار اڑائے۔ یہی اعصار ہے بادلوں کو معصرات کہتے ہیں کیونکہ وہ بارش برساتے ہیں قتادہ نے کہا الْمُعْصِرٰتِ سے مراد آسمان ہے۔ نحاس نے کہا یہ صحیح اقوال ہیں وہ ہوائیں جو بارش کو لائیں انہیں معصرات کہتے ہیں وہ ہوائیں جو بادلوں سے ملتی ہیں اور بارش ہوتی ہے انہیں معصرات کہتے ہیں بارش ہوا سے اسی طرح نازل ہوتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تمام اقوال کا مفہوم ایک ہی ہو۔ معنی یہ ہے ہم نے ہواؤں سے تیز بہتا ہوا پانی نازل کیا۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ معصرات سے مراد بادل ہے معروف بھی یہی ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے اگر الفاظ بالمعصرات ہوتے تو معنی ہوا کرنا بہتر ہوتا۔ صحاح میں ہے: معصرات سے مراد بادل ہیں جن کو بارش کے ساتھ نچوڑا جاتا ہے۔ أعصر القوم ان پر بارش ہوئی اسی وجہ سے بعض نے یہ قراءت کی وفیه یعصرون۔ المعصر سے مراد وہ بچی ہے جسے پہلی دفعہ حیض آئے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد أعصر گویا وہ جوانی کی عمر میں داخل ہو گئی؛ راجز نے کہا:

جارِيَةٌ بِسَفْوانَ دارُها تمشي الهُوَيْنَى ساقطا خمارُها

قد أَعْصَرتْ أو قد دنا إعصارُها

نوجوان بچی جس کا گھر سفوان کے مقام پر ہے وہ آہستہ آہستہ چلتی ہے جب کہ اس کی اوڑھنی گری ہوئی ہے اسے حیض آچکا ہے یا اس کے حیض کے آنے کا وقت قریب ہو چکا ہے۔

اس کی جمع معاصر آتی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وہ حیض کے قریب ہیں کیونکہ بچی میں اعصار کی حیثیت وہی ہے جس طرح مراھق (قریب البلوغ) بچے کی ہوتی ہے۔ میں نے ابو غوث اعرابی سے یہ بات سنی۔ دوسرے علماء نے کہا: معصر سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش برسانے کے وقت کو پہنچ چکا ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أجن الزرع فهو مجن یعنی کسی کو چھپانے کے

قابل ہوگئی، اسی طرح بادل جب بارش برسانے والا ہو جائے تو اسے کہتے ہیں: أعصر۔ مبرد نے کہا: سحاب معصر۔ پانی کو روکنے والا یعنی اس سے تھوڑی تھوڑی چیز نچوڑی جاتی ہے۔ اسی سے عصر ہے اس پناہ گاہ کو کہتے ہیں جس کی پناہ لی جاتی ہے۔ عصرۃ جب اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اسے بھی پناہ گاہ کہتے ہیں۔ سورۂ یوسف میں یہی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اسی سے معصر کا لفظ ہے جو اس بچی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو بلوغ کی عمر کو پہنچے کیونکہ اسے گھر میں محبوس کر دیا جاتا ہے تو گھر کو عصر کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ کی قراءت میں بالمعصرات ہے۔ مصاحف میں من المعصرات ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حسن بصری، ابن جبیر، زید بن اسلم اور مقاتل بن حیان نے کہا: من المعصرات یعنی آسمانوں سے۔ مَآءً ثَجَّاجًا جو پے در پے بہے: حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ثججت دمه فأنا أثجه ثجا میں نے اس کے خون کو بہایا۔ قد ثجّ الدم يثِجّ ثجوجا۔ خون بہا۔ اسی طرح پانی ہے یہ فعل لازم بھی استعمال ہوتا ہے اور متعدی بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت میں ثجاج سے مراد بہنا ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی صباب ہے۔ بہت زیادہ بہانے والا۔ یہ متعدی ہے گویا وہ اپنے نفس کو بہاتا ہے۔ عبید بن ابرص نے کہا:

فثجّ أعلاه ثم ارتجّ أسفله اس کے اوپر والے حصہ کو بہایا پھر اس کے نیچے والا حصہ میں اضطراب پیدا ہوا۔

حدیث نبوی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حج مبرور کے بارے میں سوال کیا گیا فرمایا: العج والثج، عج کا معنی تلبیہ کے ساتھ آواز کو بلند کرنا اور ثج کا معنی خون بہانا اور قربانیوں کو ذبح کرنا۔ ابن زید نے کہا: ثجاجا کثیر المعنی ایک ہی ہے۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۙ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝ بِهٖ کی ضمیر سے مراد پانی ہے۔ حَبًّا سے مراد گندم، جو اور اسی طرح کی دوسری چیزیں ہیں۔ نَبَاتًا سے مراد وہ گھاس ہے جسے حیوانات کھاتے ہیں۔ جَنّٰتٍ سے مراد باغات ہیں۔ اَلْفَافًا سے مراد ایک دوسرے کے ساتھ لپٹی ہوئی تاکہ ان کی شاخیں ادھر ادھر پھیلیں اس کی کوئی واحد نہیں جس طرح اوزاع، اضیاف۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی واحد لِفٌ یا لُفٌ ہے کسائی نے یہی ذکر کیا ہے کہا: جنة لف وعيش مغدق۔ گھنا باغ اور خوش حال زندگی۔

ان سے اور ابو عبید سے یہ مروی ہے: یہ لفیف کی جمع ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جمع کی جمع ہے؛ کسائی نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ یہ ترکیب ذکر کی جاتی ہے: جنة لفاء، نبت لف اس کی جمع لف آتی ہے جس طرح حمراء کی جمع حمر آتی ہے پھر لُف کی جمع الفاف آتی ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر یہ کہا جاتا کہ یہ ملتفۃ کی جمع ہے اس میں حروف زائدہ کو حذف کر دیا گیا ہے تو یہ زیادہ ذیشان ہوتا۔ یہ لفظ بولا جاتا ہے: شجرة لفاء، شجر لف اور امراة لفاء اس عورت کو کہتے ہیں جس کی پنڈلی موٹی اور بھرے گوشت والی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے نخرج به جنات الفافا کلام کیونکہ اس پر دلالت کرتا ہے اس لیے اسے حذف کر دیا گیا۔ اس التفات اور انضمام کا معنی ہے کہ باغوں میں درخت قریب قریب ہیں اور ہر درخت کی ٹہنیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝

”بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے جس روز صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا اور حرکت دی جائے گی پہاڑوں کو تو وہ سراب بن جائیں گے“۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝ میقات کا معنی وقت، جمع ہونے کی جگہ اور اولین و آخرین کے وعدہ کی جگہ ہے۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ دوبارہ اٹھانے کے لیے جس وقت صور پھونکا جائے گا تو تم پیشی کی جگہ جماعت در جماعت آؤ گے۔ ہر امت اپنے امام کے ساتھ آئے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: افواج کا معنی جماعتیں ہیں اس کا واحد فوج ہے۔ يَوْمَ کا لفظ پہلے يَوْمَ سے بدل کے طور پر منصوب ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فرمان يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ کے بارے میں بتائیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے معاذ! تو نے عظیم چیز کے بارے میں سوال کیا ہے“۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو برسنے لگے پھر فرمایا: ”میری امت میں سے دس جماعتیں الگ کی جائیں گی اللہ تعالیٰ انہیں مسلمانوں کی جماعت سے ممتاز کر دے گا، اس کی صورتوں کو بدل دے گا، ان میں سے کچھ بندروں کی صورت میں ہوں گے، بعض خنزیروں کی صورت میں ہوں گے، بعض اوندھے منہ ہوں گے ان کی ٹانگیں اوپر کی طرف ہوں گی اور انہیں چہرے کے بل گھسیٹا جا رہا ہوگا، بعض اندھے ہوں گے وہ ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہوں گے ان میں سے بعض بہرے گونگے ہوں گے وہ کوئی سمجھ بوجھ نہ رکھیں گے، بعض اپنی زبانیں چبا رہے ہوں گے وہ ان کے سینوں پر لٹک رہی ہوں گی، ان کے مونہوں سے پیپ لعاب کے طور پر بہہ رہی ہوگی، محشر میں موجود تمام افراد ان سے نفرت کریں گے، بعض کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے، بعض کو آگ کی سولیوں پر لٹکایا گیا ہوگا، بعض مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہوں گے، بعض ایسے جبے پہنائے جائیں گے جن سے تارکول بہہ رہی ہوگی جو جبے ان کے جسموں سے چمٹے ہوئے ہوں گے۔ رہے وہ شخص جو بندروں کی صورت میں ہوں گے وہ لوگوں میں سے چغل خور ہیں، جو خنزیر کی صورت پر ہوں گے جو ناجائز کمائی، حرام چیز اور محصول کھائیں گے، جن کے سر اوندھے ہوں گے وہ سود خور ہیں، اندھے وہ ہوں گے جو حکم میں ظلم کرتے ہیں، صم اور بکم وہ لوگ ہوں گے جو اپنے اعمال پر عجب کا اظہار کرتے ہیں، جو اپنی زبانیں چبا رہے ہوں گے وہ علماء اور قصہ گو ہیں جن کے قول عمل کے خلاف ہوں گے، جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے وہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے پڑوسیوں کو اذیت دیتے ہیں، جن کو آگ کی سولیوں پر لٹکایا جائے گا وہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو حاکموں کے پاس لے جاتے ہیں، جو مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے وہ لوگ ہیں جو شہوات اور لذات سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اپنے اموال میں سے اللہ تعالیٰ کے حق کو روکتے ہیں، جو جبے پہنیں گے وہ متکبر اور فخر کرنے والے ہوں گے“ (1)۔

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ فرشتوں کے نازل ہونے کے لیے آسمان کو کھول دیا جائے گا اور وہ دروازے

1۔ در منثور، جلد 6، زیر آیت ہذا

دروازے ہو جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا (الفرقان) جس روز آسمان بادل کی صورت میں پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ٹکڑے ہو جائے گا وہ دروازوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اس تاویل کی بنا پر ابواب کو نصب کاف حرف جار کے حذف کی وجہ سے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یہ ہوگی فکانت ذات ابواب، کیونکہ وہ سارے کے سارے دروازے ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ابواب اس کے راستے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے اجزاء الگ الگ ہو جائیں گے اور اس کے ٹکڑے گر جائیں گے یہاں تک کہ اس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر بندہ کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک اس کے عمل کا دروازہ اور اس کے رزق کا دروازہ۔ جب قیامت قائم ہوگی تو دروازے کھل جائیں گے۔ اسراء کی حدیث میں ہے: ''پھر مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل امین نے دروازہ کھلوانا چاہا تو ان سے کہا گیا: تو کون ہے؟ حضرت جبریل امین نے کہا: جبریل، پوچھا گیا: تیرے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا: ان کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا؟ حضرت جبریل امین نے جواب دیا: انہیں پیغام بھیجا گیا تھا تو اس دروازے کو ہمارے لیے کھول دیا گیا'' (1)۔

وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا یعنی پہاڑ کوئی چیز نہ ہوں گے جس طرح سراب ہوا کرتا ہے دیکھنے والا اسے پانی گمان کرتا ہے جب کہ وہ پانی نہیں ہوتا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُيِّرَتِ کا معنی ہے انہیں ان کی جڑوں سے اکھیڑ دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں اپنی جگہ سے زائل کر دیا گیا۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝

''درحقیقت جہنم ایک گھات ہے (یہ) سرکشوں کا ٹھکانہ ہے پڑے رہیں گے اس میں عرصہ دراز وہ نہیں چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی بجز کھولتے پانی اور گرم پیپ کے (ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔ یہ لوگ (روز) حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں کو سختی سے جھٹلایا حالانکہ ہر چیز کو ہم نے گن گن کر لکھ لیا تھا، پس اے منکرو! (اپنے کیے کا) مزا چکھو اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب''۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ مِرْصَادًا، رصد سے فعال کا وزن ہے رصد ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو تیرے سامنے ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جہنم پر داروغے ہیں کوئی آدمی جنت میں داخل نہیں ہوتا مگر اس کے پاس سے گزرتا ہے جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ما جاء فی قولہ تعالیٰ کلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ صحیح مسلم، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آدمی راہداری لے کر آتا ہے وہ آگے گزر جاتا ہے اور جو راہداری لے کر نہیں آتا اسے روک لیا جاتا ہے۔

حضرت سفیان سے مروی ہے کہ جہنم پر تین پل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِرْصَادًا اسم منسوب ہے یعنی جہنم اس کو تاڑنے والی ہوتی ہے جو بھی اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے قید خانہ۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے راستہ، گزرگاہ، جہنم تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں مگر یہ کہ جہنم کے اوپر سے گزرا جائے۔

صحاح میں ہے: مِرْصَادًا کا معنی راستہ ہے۔ قشیری نے ذکر کیا ہے: مِرْصَادًا سے مراد وہ جگہ ہے جس میں کوئی فرد دشمن کی تاڑ میں ہوتا ہے جس طرح مضمار یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں گھوڑوں کو ضامر بنایا جاتا ہے یعنی جہنمیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ پس مِرْصَادًا محل کے معنی میں ہے۔ فرشتے جہنمیوں کی تاڑ میں ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ جہنم میں جا گرتے ہیں۔ ماوردی نے ابو سنان سے روایت نقل کی ہے کہ مِرْصَادًا، راصدہ کے معنی میں ہے وہ انہیں ان کے افعال کے بدلے جزا دے گا۔ صحاح میں ہے: الراصد الشئی۔ اس کو تاڑنے والا اس کا باب یوں چلتا ہے: رَصَدَہ یَرْصُدُہ رَصَدًا و رَصْدًا۔ ترصد کا معنی بھی تاڑنا ہے مرصد تاڑنے کی جگہ۔ اصمعی نے کہا: رصدتہ، أرصدتہ کا معنی ہے میں نے اسے تاڑا۔ میں اسے تاڑتا ہوں أرصدتہ میں نے اسے تیار کیا۔ کسائی نے اس کی مثل کہا۔

میں کہتا ہوں: جہنم تیار کی گئی ہے وہ تاڑ میں ہے۔ مترصد، رصد سے متفعل کے وزن پر اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی تاڑنا ہے یعنی جو بھی آتا ہے اس پر جھانکنے والا ہے۔ مرصاد مفعول کا وزن ہے جو مبالغہ کے انداز میں سے ہے جس طرح معطار، مغیار گویا جہنم کفار کا بہت زیادہ انتظار کرنے والی ہے۔

لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا۝ یہ مِرْصَادًا سے بدل ہے مآب سے مراد لوٹنے کی جگہ ہے یہ لوٹنے کی جگہ ہے جس کی طرف لوگ لوٹ کر آتے ہیں جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: آبَ یَئُوبُ أوبۃ جس کا معنی لوٹنا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی پناہ گاہ اور ٹھکانہ ہے۔ طاغین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر کے اپنے دین میں سرکشی کی یا دنیا میں ظلم اختیار کر کے سرکشی اختیار کی۔

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا۝ جب تک احقاب رہیں گے وہ آگ میں ہی رہیں گے اور احقاب ختم نہ ہوں گے۔ جب ایک حقب ختم ہو گا تو دوسرا شروع ہو جائے گا۔ حقب سے مراد زمانہ ہے اور احقاب سے مراد کئی زمانے ہیں۔ حِقب کا معنی سال ہے اس کی جمع حِقب آتی ہے۔ متمم بن نویرہ تمیمی نے کہا:

كنا كندمانى جذيمة حِقبةً من الدهرِ حتى قيل لن يتصدّعا

فلما تفرّقنا كأني و مالكًا لطولِ اجتماعٍ لم نبتْ ليلةً معًا

ہم دونوں ایک زمانہ جذیمہ کے دو ساتھیوں کی طرح رہے یہاں تک کہ یہ کہا گیا: وہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے، جب ہم جدا ہوئے گویا میں اور مالک طویل اجتماع کی وجہ سے ایک رات بھی اکٹھے نہ رہے۔

حقب قاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ اسی سال کا عرصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے کم یا اس سے زیادہ جیسا کہ بعد میں آئے گا۔ اس کی جمع احقاب ہے۔ آیت میں اس کا معنی ہے وہ جہنم میں آخرت کے حقبہ رہیں گے جن کی کوئی انتہا

نہیں آخرت کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کلام میں آخرت کا ذکر ہے یہ کلام اس طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: ایام الآخرۃ یعنی ایام کے بعد ایام جن کی کوئی انتہا نہیں یہ کلام تعیین پر تب دلالت کرتی اگر یہ کہا جاتا پانچ احقاب یا دس احقاب وغیرہ۔

اعقاب کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک حقب لمبی مدت تھی، اس کے ساتھ اس لیے گفتگو کی گئی جس کی طرف ان کے اوہام جا سکتے تھے اور لوگ اسے پہچانتے تھے، یہ ہمیشگی سے کنایہ ہے یعنی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ایام کی بجائے احقاب کا ذکر کیا کیونکہ احقاب دلوں میں زیادہ ہولناکی پیدا کرتا ہے اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ یہ ہمیشگی کا حکم مشرکین کے حق میں ہے۔ آیت کو ان نافرمانوں پر بھی محمول کرنا ممکن ہے جو طویل زمانہ کے بعد جہنم سے نکلیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: احقاب سے مراد وہ وقت ہے جس میں وہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ پئیں گے جب وہ غصہ ختم ہو جائے گا تو ان کے لیے ایک اور عذاب ہو گا اس لیے یہ ارشاد فرمایا: لّٰبِثِیْنَ فِیْهَآ

اَحْقَابًا ۝ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا ۝

لّٰبِثِیْنَ یہ لبث سے اسم فاعل ہے اس کی تائید یہ قول بھی کرتا ہے کہ اس کا مصدر لبث ہے جس طرح شراب۔ حمزہ اور کسائی نے لبثین الف کے بغیر پڑھا ہے یہ قراءت ابو حاتم اور ابو عبید کی ہے۔ یہ بھی دونوں لغتیں ہیں جس طرح یہ کہا جاتا ہے: رجل لابث، لَبِث اس طرح طَمِع، طامِع اور فَرِہ، فَارِہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھو لبث بمکان کذا یعنی ٹھہرنا اس کا عمل رہا۔ اسے تشبیہ دی گئی ہے اس چیز کے ساتھ جس کی انسان میں خلقت ہوتی ہے جس طرح حذِر، فرِق کیونکہ فعل کا باب عموماً اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جن کی کسی شی میں خلقت ہو اسم فاعل میں یہ چیز نہیں ہوتی۔

حقب سے مراد اسی سال ہے؛ یہ ابن عمر، ابن محیصن اور حضرت ابو ہریرہ کا نقطہ نظر ہے۔ سال تین سو ساٹھ دن کا ایک دن دنیا کے دنوں کے لحاظ سے ایک ہزار کا ہو گا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی مرفوع روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سال تین سو ساٹھ دن کا ہو گا اور ہر دن دنیا کے دنوں جیسا ہو گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: حقب سے مراد چالیس سال ہیں۔ سدی نے کہا: ستر سال۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک ہزار ماہ۔ ابو امامہ نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ بشیر بن کعب نے کہا: تین سو سال۔ حضرت حسن بصری نے کہا: احقاب کتنے ہیں تم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ لیکن انہوں نے ذکر کیا کہ اس سے مراد سو حقب ہیں ایک ایک حقب ستر ہزار سال ہیں ان میں سے ایک دن ان ایک ہزار سال کی طرح ہے جس کو تم شمار کرتے ہو۔ ابو امامہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: ایک حقب تیس ہزار سال کا ہے؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ پہلا قول ماوردی کا ہے۔ قطرب نے کہا: اس سے مراد طویل غیر محدود زمانہ ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! جو جہنم میں داخل ہو گا وہ جہنم میں سے نہیں نکلے گا یہاں تک کہ وہ اس میں کئی زمانے رہے گا''۔ حقب سے مراد اسی سے زیادہ سال ہیں۔ سال تین سو ساٹھ دن کا ہے اور اس کا ہر دن ان ہزار سالوں کی طرح ہے جسے تم شمار کرتے ہو تم میں سے کسی کو بھی اس بات پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ جہنم سے نکلے گا؛ یہ

ثعلبی نے ذکر کیا۔ قرظی نے کہا: احقاب سے مراد تینتالیس حقب ہیں۔ ہر حقب ستر خریف کا ہے اور ہر خریف سات سو سال کے برابر ہے ہر سال تین سو ساٹھ دنوں کے برابر ہوتا ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اقوال آپس میں متعارض ہیں آیت میں ہمیشگی کا ذکر ہے جو ایسی خبر کی محتاج ہے جو عذر کو ختم کر دے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کوئی چیز ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ معنی وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا، یعنی وہ اس میں کئی زمانے رہیں گے جب بھی ایک زمانہ گزرے گا اس کے پیچھے ایک اور زمانہ آجائے گا ایک دہر گزرے گا تو دوسرا اس کے پیچھے آجائے گا یہ سلسلہ اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہے گا۔

ابن کیسان نے کہا: لّٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا۝ کا معنی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں گویا ابداً کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ابن زید اور مقاتل نے کہا: یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا۝ (النبا) چکھو ہم تمہارے لیے عذاب کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کریں گے، یعنی عدد ختم ہو چکا اور خلود حاصل ہو گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ تعبیر بعید ہے کیونکہ وہ خبر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ (الاعراف: 40) وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے نکے میں داخل نہ ہو جائے، جس طرح پہلے گزرا ہے یہ کفار کے حق میں ہے جہاں تک نافرمان موحدوں کا معاملہ ہے تو یہ صحیح ہے تو نسخ، تخصیص کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا۝ میں ھا ضمیر جہنم کے لیے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: احقاب کا واحد حقب اور حقبة ہے۔

کمیت نے کہا:

مَرّ لها بعد حِقْبَةٍ حِقَبٌ

اس کے لیے ایک حقبہ کے بعد کئی حقب گزر گئے۔

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا۝ ھا ضمیر سے مراد احقاب ہے۔ برد سے مراد نیند ہے؛ یہ ابو عبید اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے؛ شاعر نے کہا:

ولو شِئْتُ حَرَّمْتُ النساءَ سِواكُمُ   وان شِئْتُ لم أَطْعَمْ نُقَاخًا ولا بَرْدًا

اگر میں چاہتا تو میں تم پر عورتوں کو حرام کر دیتا اور اگر میں چاہتا تو میں نہ ٹھنڈا پانی چکھتا اور نہ نیند کرتا۔

یہی معنی مجاہد، سدی، کسائی، فضل بن خالد اور ابو معاذ نحوی نے کیا ہے۔ عرب کہتے ہیں: منع البرد البرد۔ ٹھنڈک نے نیند کو دور کر دیا۔

میں کہتا ہوں: حدیث طیبہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: کیا جنت میں نیند ہوگی؟ فرمایا: ''نہیں نیند موت کا بھائی ہے اور جنت میں کوئی موت نہیں'' اسی طرح جہنم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا (فاطر: 36)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَرْدًا کا معنی مشروب کی ٹھنڈک ہے۔ انہیں سے یہ بھی مروی ہے: بَرْدًا کا معنی نیند ہے اور شراب کا معنی پانی ہے۔ زجاج نے کہا: اس میں وہ ہوا، سایہ اور نیند کی ٹھنڈک نہیں پائیں گے۔ پس بَرْدًا اس شی کی ٹھنڈک کو قرار دیا جس میں راحت ہوتی ہے یہ ٹھنڈک انہیں نفع دے گی جہاں تک زمہریر کا تعلق ہے اس سے وہ اذیت حاصل کریں گے وہ انہیں نفع نہ دے گی ان کے لیے اس میں عذاب ہوگا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اسے زیادہ نہیں جانتا۔ حضرت حسن بصری، عطا اور ابن زید نے کہا: بَرْدًا سے مراد سکون وراحت ہے: شاعر نے کہا:

فلا الظِلَّ مِن بردِ الضحیٰ تستطیعهٗ　　لا الفَیَ أوقات العَشِی تذوقُ

تو چاشت کی ٹھنڈک کے سایہ کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ بعد دوپہر کے اوقات کے سایہ کو چکھتا ہے۔

یہ جملہ الطاغین سے حال بن رہا ہے یا یہ احقاب کی صفت ہے۔ احقاب ظرف زمان ہے اس میں عامل لَبِثِیْنَ یا لبثین ہے جبکہ فعل کو متعدی مانا جائے۔

اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جس نے بَرْدًا کا معنی نیند لیا ہے اس کے نزدیک یہ مستثنیٰ منقطع ہے جس نے اس کا معنی ٹھنڈک لیا ہے اس نے اسے بدل قرار دیا ہے۔ حمیم سے مراد گرم پانی ہے؛ یہ ابوعبیدہ کا نقطہ نظر ہے۔ ابن زید نے کہا: حَمِیْمًا سے مراد ان کی آنکھوں کے آنسو ہیں جن کو حوضوں میں جمع کیا جائے گا پھر وہ انہیں پلائے جائیں گے۔ نحاس نے کہا: حَمِیْمًا کی اصل گرم پانی ہے اسی سے حمام ہے اسی سے حُمی (بخار) ہے اسی معنی میں ظل من یحموم ہے۔ اس سے مراد انتہائی گرم ہے۔ غساق سے مراد جہنمیوں کی پیپ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد زمہریر ہے۔ حمزہ اور کسائی نے سین کو مشدد پڑھا ہے۔ سورۂ (ص) میں اس کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ ایسی جزا جو ان کے اعمال کے موافق ہو۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: وفق، موافقت کے معنی میں ہے جس طرح قتال، مقاتلہ کے معنی میں ہے۔ جَزَآءً مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی ہم نے انہیں ایسی جزا دی جو ان کے اعمال کے موافق تھی؛ یہ فراء اور اخفش نے بات کہی۔ فراء نے یہ بھی کہا: یہ وفق کی جمع ہے وفق اور لفق دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ مقاتل نے کہا: عذاب دنیا کے موافق ہوگا۔ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور جہنم سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: ان کے اعمال برے تھے اللہ تعالیٰ انہیں وہ پہنچائے گا جو ان کے لیے تکلیف دہ ہوگا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وہ اپنے اعمال کے محاسبہ پر کوئی خوفزدہ نہ ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حساب کے ثواب کی امید نہیں رکھتے تھے۔ زجاج نے کہا: وہ دوبارہ اٹھائے جانے کی امید نہ رکھتے تھے کہ وہ حساب کی امید رکھتے۔

وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ آیات سے مراد وہ ہے جو انبیاء لائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ہم نے کتابیں نازل کیں ان کو جھٹلاتے تھے۔ عام قراء کی قراءت کِذَّابًا ہے یعنی ذال مشدد اور کاف کے نیچے کسرہ ہے یعنی بہت شدید جھٹلایا۔ فراء نے کہا: یہ یمنی لغت ہے وہ یوں کہتے ہیں: کذبت به كذابا، خرقت القميص خراقا۔ ہر وہ فعل جو فعل کے وزن پر ہو اس

مصدر فعال کے وزن پر ہوتا ہے یہی ان کی لغت ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کِذَّابًا تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یہ بھی مصدر ہے۔ ابوعلی نے کہا: تخفیف اور تشدید دونوں طرح ہے اس کا مصدر مکاذبہ ہے جس طرح اعشی کا قول ہے:

فصدقتها و کَذَبْتها والمرءُ ینفعهٔ کِذَابه

میں نے نفس سے سچ بولا اور اس سے جھوٹ بھی بولا انسان کو اس کا جھوٹ ہی نفع دیتا ہے۔

ابوالفتح نے کہا: کذب اور کذّب دونوں کا یہ مصدر ہے۔ زمخشری نے کہا: کِذَابًا جب ذال کی تخفیف کے ساتھ ہو تو یہ کذب کا مصدر ہوگا جس طرح مذکورہ شعر میں ہے یہ اس قول کی طرح ہے: انبتکم من الارض نباتا یعنی انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور انہوں نے جھوٹ بولا یا کَذَّبُوْا فعل بذات خود اس کو نصب دیتا ہے کیونکہ کِذَابًا، کَذَّبُوْا کے معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے کیونکہ ہر حق کی تکذیب کرنے والا جھوٹا ہوتا ہے کیونکہ جب وہ مسلمانوں کے نزدیک جھوٹے تھے تو مسلمان بھی ان کے نزدیک جھوٹے تھے تو اس طرح ان کے نزدیک مکاذبہ ہوا کرتا تھا۔ حضرت ابن عمر نے اسے کُذَّابًا پڑھا جو کاذب کی جمع ہے؛ یہ ابوحاتم کا قول ہے اور وہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔ بعض اوقات کذاب سے مراد ایسا شخص ہے جو جھوٹ میں مبالغہ کا کام دے کہا جاتا ہے: رجل کذاب۔ جس طرح تو کہتا ہے: حسان بخال وہ اسے کَذَّبُوْا کے مصدر کی صفت بناتے ہیں تقدیر کلام یوں ہوگی تکذیبا کذابا مفرطا کذبہ صحاح میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۞ یہ مشدد کے مصدر میں سے ایک ہے کیونکہ باب تفعیل کا مصدر کبھی تفعیل جیسے تکلیم، کبھی فعال جیسے کذاب، کبھی تفعلة جیسے توصیة اور کبھی مفعل کے وزن پر آتا ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (السبا: 19)

وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ۞ لفظ كُلَّ کو نصب فعل مضمر دے رہا ہے جس پر اَحْصَیْنٰهُ دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وأحصینا کل شیٔ أحصیناہ۔ ابوسال نے اسے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے كِتٰبًا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ أحصینا کا معنی کتبنا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی کتبناہ کتابا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ علم کے معنی میں ہے کیونکہ جس چیز کو لکھا جاتا ہے وہ نسیان سے بہت ہی بعید ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے اسے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے تاکہ ملائکہ اسے پہچان لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں تو یہ وہ کتابت ہے جو ان فرشتوں کی طرف سے صادر ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے افعال کے بارے میں صادر ہوئی، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۞ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۞ (الانفطار) تم پر کراما کاتبین محافظ ہیں۔

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۞ ابوبرزہ نے کہا: میں نے قرآن حکیم میں موجود سب سے سخت آیت کے بارے میں پوچھا فرمایا: تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی یعنی جب بھی ان کے چمڑے پک جائیں گے ہم ان کے چمڑے بدل دیں گے اور جب کبھی وہ ٹھنڈی ہوگی ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾
لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

''بلاشبہ پرہیزگاروں کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے (ان کے لیے) باغات اور انگوروں (کی بیلیں) ہیں اور جواں سال ہم عمر لڑکیاں اور چھلکتا ہوا جام۔ نہ سنیں گے وہ وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام''۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت سے بچتا ہے اس کی جزا کا ذکر کیا مَفَازًا یہ کامیابی، نجات اور جہنمی جس میں داخل ہو چکے ہیں اس سے خلاصی کی جگہ ہے اسی وجہ سے جب پانی کم ہو جاتا ہے تو اسے فلاۃ کو مَفَازًا کہتے ہیں یہ فال لیتے ہوئے کہ اس قحط سالی سے نجات نصیب ہو۔

حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ یہ فوز کی تفسیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ متقین کے لیے باغات ہیں۔ حَدَآئِقَ، حدیقہ کی جمع ہے یہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کا احاطہ کیا گیا ہو جس طرح کہا جاتا ہے: أحدق بہ یعنی اس کا احاطہ کیا۔ اَعْنَابًا، عِنَب کی جمع ہے اس سے مراد انگور کی بیلیں ہیں۔

وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ كَوَاعِبَ، کعب کی جمع ہے اس کا معنی ابھری ہوئی چیز ہے اس کا یوں باب چلایا جاتا ہے كَعَبَتِ الجاريةُ تَكْعَبُ كُعُوبًا، كَعَّبَتْ تُكَعِّبُ تَكْعِيبًا اور نَهَدَتْ تَنْهَدُ نُهُوْدًا۔ ضحاک نے کہا: ککواعب العذاری۔ دوشیزاؤں کے ابھرے ہوئے سینے۔ اس معنی میں قیس بن عاصم کا شعر ہے:

وَكَمْ مِنْ حَصَانٍ قَدْ حَوَيْنَا كَرِيمَةٍ ... وَمِنْ كَاعِبٍ لَمْ تَدْرِ مَا الْبُؤْسُ مُعْصِرِ

کتنی ہی پاکدامن معزز عورتوں کو ہم نے جمع کیا اور کتنی ہی ابھرے ہوئے سینوں والی بلوغت کی عمر کو پہنچنے والی بچیوں کو جمع کیا جو نہیں جانتی کہ جنگ کیا ہوتی ہے۔

اَتْرَابًا کا معنی ہم عمر ہے اس کی وضاحت سورۂ واقعہ میں گزر چکی ہے اس کا واحد ترب ہے۔

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ حضرت حسن بصری، قتادہ، ابن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی چھلکتا ہوا، بھرا ہوا جام لیا ہے۔ کہا جاتا ہے: أدهقتُ الكأسَ یعنی میں نے اس کو بھر دیا۔ کأس دھاق یعنی بھرا ہوا جام۔

جس طرح شاعر نے کہا:

مِنْ مائها بكأسك الدِّهاقِ

اس کے پانی سے اپنے بھرے ہوئے جام سے۔

خداش بن زہیر نے کہا:

فأترعنا له كأسًا دِهاقًا

ہم نے اس کے لیے چھلکتا ہوا جام بھرا۔

سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: اس کا معنی پے در پے ہے یعنی ان میں سے ایک دوسرے کے پیچھے ہوگا، اسی سے أدھقت الحجارۃ ادھاقا یہ ایسی سختی ہوتی ہے جس سے پناہ لی جاتی ہے اس کا بعض، بعض میں داخل ہوتا ہے پس متتابع، متداخل کی طرح ہے۔

عکرمہ سے یہ بھی مروی ہے اور زید بن اسلم نے بھی یہی کہا ہے: اس کا معنی صاف ہے؛ شاعر نے کہا:

لَأَنتِ إلى الفؤاد أحبُّ قربًا من الصادی إلی کأسٍ دِهاقِ

تو قربت کے اعتبار سے دل کے لیے اس پیاسے سے بھی زیادہ محبوب ہے جو صاف جام سے محبت رکھتا ہے۔

یہ دَهَق کی جمع ہے یہ دو ایسی لکڑیاں ہوتی ہیں جن کے ساتھ پنڈلی کو جکڑا جاتا ہے۔ کأس سے مراد شراب ہے تقدیر کلام یہ ہے خمرا ذات دھاق، یعنی اسے نچوڑا گیا اور اسے صاف کیا گیا؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ صحاح میں ہے أدھقتُ الماءَ میں نے اسے تیزی سے انڈیلا۔ ابو عمرو نے کہا: دَهَق یہ عذاب کی ایک قسم ہے فارسی میں اسے شکنجہ کہتے ہیں۔ مبرد نے کہا: مدھوق سے مراد وہ شخص ہے جس کو ہر قسم کا عذاب دیا جائے جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو۔ ابن اعرابی نے کہا: دهقتُ الشئ میں نے اسے توڑ دیا، میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اسی سے دَهْدَقْتُه ہے؛ شاعر نے کہا:

نُدَهْدِقُ بَضْعَ اللحمِ لِلباعِ والندیٰ

ہم بیچنے والے کے لیے اور سخاوت کے لیے گوشت کے ٹکڑے کرتے ہیں۔

دھمقتہ میم کی زیادتی کے ساتھ اس کی مثل معنی رکھتا ہے۔ اصمعی نے کہا: دھمقہ کا معنی کھانے کی نرمی، اس کی خوشبو اور رقت ہے، اسی طرح ہر نرم چیز کے لیے بھی یہ لفظ بولتے ہیں اس معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک قول ہے: لوشئت أن یُدَهْمَقَ لی لفعلت ولکن اللہ عاب قوما اگر میں چاہتا کہ عمدہ عمدہ نرم کھانا میرے لیے تیار کیا جائے تو میں ایسا کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی قوم پر عیب لگایا ہے۔ اور فرمایا: أَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (الاحقاف: 20)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ ھا ضمیر سے مراد جنت ہے، لغو سے مراد باطل ہے اس سے مراد لغو کلام ہے اس معنی میں حدیث ہے: "جب تو نے جمعہ کے روز اپنے ساتھی سے کہا: خاموش ہو جا جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے باطل عمل کیا" (1) اس کی وجہ یہ ہے جب وہ جام پئیں گے تو ان کی عقلیں متغیر نہ ہوں گی اور وہ باطل کلام نہ کریں گے جبکہ دنیاداروں کا معاملہ مختلف ہے نیز وہ ایک دوسرے کو نہیں جھٹلائیں گے اور نہ ہی وہ جھوٹ سنیں گے۔ کسائی نے کِذَابا پڑھا ہے یہ کذبت کذابا ہے یعنی وہ جنت میں باہم جھوٹ نہ بولیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں تکذیب کے مصدر ہیں یہاں اسے غیر مشدد پڑھا گیا ہے کیونکہ یہ کسی ایسے فعل کے ساتھ مقید نہیں جس کا یہ مفعول مطلق ہے۔ اور وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، کیونکہ کذبوا فعل کذاب مصدر کو مقید کرتا ہے۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ جزآء مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے گویا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں

1۔ موطا امام مالک، کتاب الجمعة، باب ما جاء فی الانصات یوم الجمعة

اس چیز کا بدلہ دیا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اسی طرح عطاء ہے کیونکہ أعطاهم اور اجزاهم کا معنی ایک ہی ہے۔ حِسَابًا کا معنی کثیر ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أحسبت فلانا یعنی میں نے اسے کثیر مال عطا کیا یہاں تک کہ اس نے کہا: یہ میرے لیے کافی ہے؛ شاعر نے کہا:

وَنُقْفِی وَلِیدَ الحیِّ إِن كان جائعا   ونحسبه إن كان ليس بجائع

ہم قبیلے کے بچے کو ترجیح دیتے ہیں اگر وہ بھوکا ہو اور اگر وہ بھوکا نہ ہو تو ہم اسے کثیر مال دیتے ہیں۔

قتبی نے کہا: ہم اس کا اصل معنی یہ دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے کو اتنا دے یہاں تک کہ وہ کہے: یہ میرے لیے کافی ہے۔ زجاج نے کہا: حِسَابًا کا معنی ہے جو ان کے لیے کافی ہو؛ یہی اخفش نے کہا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أحسبنی كذا یعنی میرے لیے کافی ہے۔ کلبی نے کہا: ان کا حساب لیا اور انہیں ایک نیکی پر دس گنا عطا کیا۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے جو عمل کیے اس کے مناسب انہیں عطا کیا۔ حساب، شمار کرنے کے معنی میں ہے، یعنی انہیں اتنا عطا کیا جس قدر رب تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اس کے لیے ثابت ہوا کیونکہ اس نے ایک نیکی پر دس گنا عطا کیا، ایک قوم کے لیے سات سو گنا کا وعدہ کیا اور ایک قوم کے لیے اس مقدار کا وعدہ کیا جس کی کوئی انتہا اور مقدار نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۝ (الزمر) صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔ ابو ہاشم نے عطاء حَسَّابا پڑھا ہے یہ فعال کا وزن ہے جس کا معنی کافی ہو جاتا ہے۔ اصمعی نے کہا: عرب کہتے ہیں حسبت الرجل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کی تعظیم بجا لائے؛ شاعر کا مصرعہ ہے:

إذا أتاه ضيفه يُحَسِّبُه

جب اس کا مہمان اس کے پاس آتا ہے تو وہ اس کی تعظیم بجا لاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے حسانا پڑھا ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا۝ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا۝ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا۝ اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا ۚۖ یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَ یَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا۝

”جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے حد مہربان، انہیں طاقت نہ ہو گی کہ (بغیر اجازت) اس سے بات بھی کر سکیں۔ جس روز روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے۔ یہ دن برحق ہے، سو جس کا جی چاہے بنا لے اپنے رب کے جوار میں اپنا ٹھکانا۔ بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے، اس دن دیکھ لے گا ہر شخص

(ان عملوں کو) جو اس نے آگے بھیجے تھے اور (کافر) بصد حسرت کہے گا: کاش! میں خاک ہوتا"۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ حضرت ابن مسعود، نافع، ابو عمرو، ابن کثیر اور زید نے یعقوب سے، مفضل نے عاصم سے لفظ ربّ پر رفع پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے الرَّحْمٰنِ اس کی خبر ہے یا اس کا معنی ہے ھو رب السموات، یعنی وہ آسمانوں کا رب ہے لفظ الرَّحْمٰنِ دوسرا مبتدا ہوگا۔ ابن عامر، یعقوب اور ابن محیصن نے دونوں کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ کی صفت ہے یعنی تیرے رب کی جزا جو آسمانوں کا رب اور رحمٰن ہے۔ حضرت ابن عباس، عاصم، حمزہ اور کسائی نے ربّ السموات پڑھا ہے کیونکہ یہ صفت ہے۔ الرَّحْمٰنِ یہ مرفوع ہے تقدیر کلام یوں ہے ھو الرحمٰن۔ ابو عبید نے اسے اختیار کیا ہے کہا: یہ زیادہ مناسب ہے لفظ ربّ کے نیچے کسرہ ہے کیونکہ یہ من ربك کے قریب ہے تو یہ اس کی نعت ہوگا لفظ رحمٰن کو رفع دیں گے کیونکہ یہ اس سے دور ہے اور جملہ مستانفہ ہے اور لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ اس کی خبر ہے یعنی وہ اس امر کے مالک نہیں ہوں گے کہ وہ اس کا سوال کریں مگر اس کے متعلق جس کی انہیں اجازت دی جائے۔ کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے وہ شفاعت کے بارے میں گفتگو کے مالک نہ ہوں مگر اس وقت جب انہیں اجازت دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ خطاب کا معنی کلام کرنا ہے یعنی وہ مالک نہ ہوں گے کہ وہ اپنے رب سبحانہ تعالیٰ سے گفتگو کریں مگر اس کی اجازت کے ساتھ ہی گفتگو کریں گے، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (ہود: 105) کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر گفتگو نہیں کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کفار ہیں وہ گفتگو کے مالک نہ ہوں گے جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے وہ شفاعت کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ اجازت ملنے کے بعد وہ گفتگو کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ: 255) کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ (طہٰ) اس روز شفاعت نفع نہ دے گی مگر جس کے حق میں رحمٰن اجازت دے اور رحمٰن اس کے حق میں بات پر راضی ہو۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا، یَوْمَ ظرف کی حیثیت سے منصوب ہے معنی یہ ہوگا وہ گفتگو کا اختیار نہیں رکھیں گے روح کے بارے میں آٹھ قول ہیں: (۱) یہ بھی فرشتوں میں سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق تخلیق نہ کی جو عرش کے بعد اس سے بڑی ہو جب قیامت کا روز ہوگا تو وہ تنہا صف باندھ کر کھڑا ہو جائے گا اور تمام فرشتے دوسری صف میں ہوں گے۔ اس کی مخلوق کی عظمت ان کی صفوں کے اعتبار سے ہوگی؛ اس کی مثل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: روح ساتوں آسمانوں سے، ساتوں زمینوں اور پہاڑوں میں سے بڑی مخلوق ہے وہ چوتھے آسمان کے بالمقابل ہو گی وہ ہر روز بارہ ہزار دفعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی اللہ تعالیٰ ہر تسبیح کے بدلے میں ایک فرشتہ پیدا فرمائے گا قیامت کے روز وہ تنہا صف میں ہوگی اور باقی فرشتے ایک صف میں ہوں گے۔

(۲) روح سے مراد حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں؛ یہ شعبی، ضحاک اور سعید بن جبیر کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس

بنی ہلہ جمعا سے مروی ہے کہ عرش کی دائیں جانب نور کی ایک نہر ہے جس کی وسعت ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں اور ساتوں سمندروں کی مانند ہے۔ جبریل امین ہر روز سحری کے وقت اس میں داخل ہوتے ہیں اس سے غسل کرتے ہیں تو وہ نور علی نور ہو جاتے ہیں ان کے جمال میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے اور عظمتیں بڑھ جاتی ہیں، پھر وہ پر جھاڑتے ہیں تو ہر وہ قطرہ جو ان کے پر سے گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ستر ہزار فرشتے پیدا فرما دیتا ہے ان میں سے ہر روز ستر ہزار بیت معمور میں داخل ہوتے ہیں اور کعبہ میں ستر ہزار داخل ہوتے ہیں تا قیامت وہ فرشتے دوبارہ ان دونوں کی طرف نہیں لوٹتے۔ وہب نے کہا: جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہیں ان کے سینہ کا گوشت کانپ رہا ہے اللہ تعالیٰ ہر کپکپی سے ایک لاکھ فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے سر جھکائے صف در صف کھڑے ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں کلام کی اجازت دیتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ کا یہی مطلب ہے اور صواب سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس بنی ہلہ جمعا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آیت میں روح سے مراد اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے وہ فرشتے نہیں ان کے سر، ہاتھ اور پاؤں ہیں، وہ کھانا کھاتے ہیں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی بے شک یہ بھی لشکر ہے وہ بھی لشکر ہے؛ یہ ابو صالح اور مجاہد کا قول ہے۔ اس تاویل کی بنا پر وہ انسان کی شکل وصورت پر بنائے گئے ہیں وہ لوگوں کی طرح ہیں انسان نہیں ہیں۔

(۴) وہ فرشتوں میں سے معزز فرشتے ہیں؛ یہ مقاتل بن حیان کا قول ہے۔

(۵) وہ ملائکہ پر نگہبان ہیں؛ یہ ابن ابی نجیح کا قول ہے۔

(۶) یہ انسان ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ اس سے مراد روحوں والے ہیں۔ عوفی اور قرظی نے کہا: یہ وہ بات ہے جو حضرت ابن عباس چھپایا کرتے تھے کہا: روح اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے جو انسان کی شکل پر بنائی گئی ہے آسمان سے کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ ایک روح بھی ہوتی ہے۔

(۷) بنی آدم کی روحیں صف در صف کھڑی ہوں گے، فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے یہ دو نفخوں کے درمیان ہوگا۔ ابھی ان کو جسموں کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔

(۸) اس سے مراد قرآن ہے؛ یہ زید بن اسلم کا قول ہے اور اس آیت کی تلاوت کی وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ:52) اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے قرآن کو وحی کیا۔ صفًا یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یقومون صفوفا مصدر اپنے اندر واحد اور جمع کا معنی رکھتا ہے جس طرح عدل اور صوم ہے۔ یوم العید کو یوم الصف کہتے ہیں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ (الفجر) تیرے رب کا حکم آیا جب کہ فرشتے صف در صف تھے۔ یہ صفوف پر دلالت کرتا ہے یہ سلسلہ پیشی اور حساب کے موقع پر ہوگا؛ یہ قتبی اور دوسرے علماء نے معنی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: روح ایک صف میں کھڑے ہوں اور فرشتے ایک صف میں کھڑے ہوں گے پس وہ دو صفوں میں ہوں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام ایک صف میں کھڑے ہوں گے۔

لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ۝ وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کو رحمٰن شفاعت کی اجازت دے جبکہ وہ بات بھی سچی کرے؛ یہ ضحاک اور مجاہد کا قول ہے۔ ابو صالح نے کہا: صواب کا معنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے وہ اس کے حق میں شفاعت کریں گے۔ صواب کا اصل معنی درست ہے خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو۔ یہ أَصَابَ، يُصِيْبُ إِصَابَةً سے مشتق ہے، جس طرح جواب، أَجَابَ يُجِيْبُ إِجَابَةً سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ فرشتہ اور روح جو صفوں میں کھڑے ہیں وہ کلام نہیں کریں گے وہ ہیبت اور جلال کی وجہ سے کلام نہیں کریں گے مگر جسے رحمٰن شفاعت کے بارے میں اجازت دے جبکہ انہوں نے سچی بات کی، وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: قیامت کے روز روح کہے گی کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر رحمت کے ساتھ اور کوئی آگ میں داخل نہیں ہوگا مگر عمل کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ قَالَ صَوَابًا کا یہی معنی ہے۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ حق کا معنی ہے جو واقع ہونا ہے۔ مَاٰبًا کا معنی مرجعا ہے یعنی جو چاہے عمل صالح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں لوٹنے والی جگہ بنالے۔ گویا جب وہ اچھا عمل کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتا ہے اور جب وہ برا عمل کرتا ہے تو اسے اپنے میں سے شمار کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی راہنمائی کرتا ہے ''بھلائی سب کی سب تیرے قبضہ میں ہے اور شر تیری طرف لوٹنے والا نہیں''۔ قتادہ نے کہا: مَاٰبًا کا معنی راستہ ہے۔

اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا قریش کے کفار اور عرب کے مشرکوں سے خطاب فرمایا کیونکہ انہوں نے کہا: ہم کو دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا جبکہ عذاب آخرت کا عذاب ہے ہر وہ چیز جو ہو کر رہنے والی ہو وہ قریب ہوا کرتی ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝ (النازعات) گویا جس روز وہ اسے دیکھیں گے (وہ کہیں گے) وہ اس میں نہیں ٹھہرے مگر ایک رات یا اس کا ایک دن؛ یہ کلبی اور دوسرے علماء نے معنی کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ دنیا کا عذاب ہے کیونکہ دونوں عذابوں میں سے یہ زیادہ قریبی ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد بدر کے دن قریش کا قتل ہے۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے، یہی موت اور قیامت ہے کیونکہ جو آدمی مر جاتا ہے اس کے لیے قیامت قائم ہو جاتی ہے اگر وہ جنتی ہوگا تو وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لے گا اگر وہ جہنمی ہوگا تو وہ ذلت اور رسوائی دیکھے گا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اس میں عذاب کے وقت کو بیان فرمایا یعنی ہم نے تمہیں ایسے عذاب سے خبردار کیا جو اس دن کے قریب ہے، اس سے مراد وہ دن ہے جس میں انسان وہ کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں يَنْظُرُ کے بعد الی حرف جار محذوف ہے۔ حضرت حسن بصری کے قول کے مطابق الْمَرْءُ سے مراد مومن ہے یعنی وہ اپنے لیے عمل پائے گا۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ اپنے لیے کوئی عمل نہیں پائے گا۔ تو وہ یہ آرزو کرے گا کہ وہ مٹی ہو جائے۔ بعد میں جب کافر کا ذکر کیا تو اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اس سے مراد مومن ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں اَلْمَرْءُ سے مراد ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط ہے، کافر سے مراد ابوجہل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے اس روز وہ اپنے عمل کی جزا دیکھے گا۔ مقاتل نے کہا: یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ابوسلمہ بن عبد الاسد مخزومی کے حق میں نازل ہوئی۔

وَ یَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا۝ یہ اس کے بھائی اسود بن عبد الاسد کے حق میں نازل ہوئی۔ ثعلبی نے کہا: میں نے ابوالقاسم بن حبیب کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہاں کافر سے مراد ابلیس ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام پر عیب لگایا کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور خود فخر کیا کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے جب وہ قیامت کے روز دیکھے گا جس ثواب، راحت اور رحمت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے اور اپنے آپ کو شدت اور عذاب میں دیکھے گا تو وہ یہ تمنا کرے گا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ ہوتا اور یہ کہے گا: یَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا۝ کہا میں نے یہ تعبیر ابونصر قشیری کی بعض تفاسیر میں پڑھی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہائے کاش! میں مٹی سے پیدا کیا جاتا اور میں یہ نہ کہتا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جب قیامت برپا ہوئی تو زمین کو چمڑے کی طرح بچھا دیا جائے گا جانوروں، چوپاؤں اور وحشیوں کو جمع کیا جائے گا پھر ان کے درمیان قصاص قائم کیا جائے گا یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بے سینگ بکری کا قصاص لیا جائے گا جو اس نے اس بکری کو سینگ مارا تھا۔ جب ان کے قصاص سے فراغت ہو جائے گی تو اسے کہا جائے گا: تو مٹی ہو جا، اس موقع پر کافر کہے گا: یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کر دیا ہے جو مردوں اور آخرت کے امور کے متعلق ہے۔ الحمدللہ۔

ابو جعفر نحاس نے ذکر کیا احمد بن نافع، سلمہ بن شبیب سے وہ عبد الرزاق سے وہ معمر سے وہ جعفر بن برقان جزری سے وہ یزید بن اصم سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو دوبارہ اٹھائے گا خواہ وہ جوان ہو، پرندہ ہو یا انسان ہو، پھر چوپاؤں اور پرندوں سے کہا جائے گا: مٹی ہو جاؤ۔ اس موقع پر کافر کہے گا: ہائے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔ کچھ لوگوں نے کہا: اس کا معنی ہے مجھے دوبارہ نہ اٹھایا جاتا جس طرح کہا: اے کاش! مجھے کتاب نہ دی جاتی۔ ابوزناد نے کہا: جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا، جنتیوں کو جنت کی طرف جانے کا حکم دے دیا جائے گا اور جہنمیوں کو جہنم کی طرف جانے کا حکم دے دیا جائے گا تو تمام دوسری مخلوقات اور مومن جنوں کو کہا جائے گا مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے اس موقع پر کافر جب انہیں مٹی ہوتا ہوا دیکھے گا تو کہے گا: ہائے کاش! میں مٹی ہوتا (1)۔ لیث بن ابی سلیم نے کہا: مومن جن مٹی ہو جائیں گے (2)۔

عمر بن عبد العزیز، زہری، کلبی اور مجاہد نے کہا: مومن جن جب جنت کے ارد گرد میدانوں میں ہوں گے وہ جنت میں نہیں ہوں گے۔ یہ زیادہ صحیح ہے سورۃ الرحمٰن میں اس کا بیان گزر چکا ہے کہ وہ مکلف ہیں انہیں بدلہ دیا جائے گا اور انہیں سزا دی جائے گی وہ انسانوں کی طرح ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 56　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 441